(غلام گردش)

جناب، اصل پاکستان تو یہ ہے!

بابر مسیح لاہور میں رہنے والا ایک عام سا انسان تھا۔ سانس لینے والا پتلا جسکی کسی قسم کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس طرح کے کروڑوں لوگ اس ملک میں بے وجہ زندہ ہیں۔ خوشی اور کسی غم کے بغیر، صرف اور صرف سانس لینے پر قادر۔ بابر مسیح، شادمان سے منسلک کچی آبادی میں رہتا تھا۔ شادمان لاہور کا ایک انتہائی خوشحال علاقہ ہے۔ اس میں موجود مارکیٹ میں ماہانہ اربوں روپوں کی شاپنگ ہوتی ہے۔ چمکتی ہوئی گاڑیوں سے باہر نکلتے ہوئے مرد اور خواتین، اکثر اشیاء کا نرخ نہیں پوچھتے۔ بل ادا کرتے ہیں۔ سٹورز کے ملازم بڑے ادب سے سامان گاڑی میں رکھتے ہیں۔ پھر سو، دو سو بخشیش وصول کر کے زور سے سلوٹ مارتے ہیں۔ لاہور کے تمام خوشحال علاقوں میں اس طرح کی مارکیٹیں اور بازار موجود ہیں۔ مگر بابر مسیح کی قسمت میں تو کسی قسم کی کوئی سطحی خوشحالی یا خوشی کا نام ونشان نہیں تھا۔ کچی آبادی کے اندر دو مرلے کے مکان میں مقیم یہ شخص محنت مزدوری کرتا تھا۔ شادی شدہ تھا اور چار بچے بھی تھے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ مفلوک حالی پورے گھر کو گرفت میں لے چکی تھی۔ غربت کی نظر نہ آنے والی چکی میں بابر مسیح، بیوی اور بچوں کو پیس چکی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے، بیوی نے کسی چیز کا تقاضہ کیا۔ بابر کے پاس زہر کھانے تک کو پیسے نہیں تھے۔ مزدوری بھی نہیں مل رہی تھی۔ ہر طرف فاقے ہی فاقے تھے۔ کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کرے۔ ویسے، اس ملک میں غریب آدمی کی بساط ہے ہی کیا۔ کسی بھی معاملہ پر اسکا کوئی اختیار نہیں۔ ہمارا منافق معاشرہ، ویسے ہی غریب کا مذاق اُڑاتا رہتا ہے۔ باتوں کی حد تک غریبوں کی زندگی بہت بہتر ہو چکی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آٹھ ہزار سے لیکر بارہ ہزار ماہانہ پر لاہور میں نوکر یا نوکرانی آرام سے مل جاتے ہیں۔ ان ملازمین کی تنخواہ اس ظالمانہ حد تک کم ہے کہ تصور سے باہر ہے۔ دس پندرہ ہزار میں یہ لوگ اپنے خاندان کے ساتھ کیسے گزارا کرتے ہونگے، سمجھ سے باہر ہے۔ جب غریب کے بچے فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کے سامنے سے برگر کی قیمت پڑھتے ہوئے گزرتے ہونگے، تو دل پر کیا قیامت گزرتی ہوگی۔ گمان کرنا بھی تکلیف دہ ہے۔ انکے والد اور والدہ کی ماہانہ تنخواہ میں تو صرف دس سے پندرہ برگر ہی آسکتے ہیں۔ شائد یہ تصور یا خواب میں ہی انہیں کھاتے ہونگے۔ اس ملک میں تو یہ خریداری انکی مالی استطاعت سے باہر ہے۔

بابر مسیح کو پیسے حاصل کرنے کا کوئی طریقہ سمجھ نہ آیا تو شادمان مارکیٹ میں ایک سود خور آدمی کے پاس چلا گیا۔ اسکا نام مومن خان تھا۔ سود خور بڑے عرصے سے شادمان مارکیٹ میں پیسے کے لین دین کا کام کر رہا تھا۔ سود پر رقم دیتا تھا اور اگر وقت پر وصول نہ ہو، تو پھر اس کے غنڈے، گھروں میں جا کر اُدھار لینے والوں کی بے عزتی کرتے تھے۔ دھمکیاں دیتے تھے۔ ہاتھا پائی کرتے تھے۔ ڈراتے تھے۔ انکے اہل خانہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ظاہر کرتے تھے۔ یعنی یہ لوگ سود اور پیسہ وصول کرنے والے پیشہ ور بدمعاش تھے۔ مومن خان کے زرخرید بھیڑیے تھے۔ بابر مسیح نے سود خور سے معمولی سی رقم اُدھار لے لی۔ اپنے گھر کا چولہا جلانے پر صرف کر دی۔ یہ رقم لاکھوں نہیں، بلکہ چند ہزاروں میں تھی۔ مگر مسئلہ یہ ہوا، کہ بابر، وقت پر رقم اور سود ادا نہ کر سکا۔ مارکیٹ جا کر اس نے مومن خان کے سامنے ہاتھ پیر جوڑے کہ کچھ مہلت دیدی جائے۔ تا کہ محنت مزدوری کر کے کچھ دنوں بعد پیسے واپس کر دے۔ مگر سود خور کے ذہن میں تو دولت اور اپنے غنڈوں کی

طاقت کا بدنما خمار تھا۔نشہ تھا۔اسکے سامنے بابر تو ایک معمولی سی مشین تھی جس نے کچھ نوٹ چھاپ کر اسے واپس کرنے تھے۔سود خور نے گالیاں دیکر بابر کو دکان سے نکال دیا۔معاملہ یہاں نہیں رُکا۔اسکے غنڈوں نے باقاعدہ،اس غریب آدمی کے گھر جا کر بدتمیزی کرنی شروع کردی۔اگر بابر گھر پر نہ ہوتا،تو وہ بدمعاش،بچوں کو گالیاں دیتے۔اغواء کرنے کی دھمکیاں دیتے۔والدہ ہاتھ پیر جوڑ کر انہیں واپس بھیجتی مگر وہ شام کو پھر واپس آجاتے۔اس طرح چند دن گزر گئے۔کئی بار انہوں نے بابر مسیح کو سرِ عام مارا پیٹا۔گریبان پھاڑ ڈالا اور مارنے کی دھمکیاں بھی دیں۔سود خور اور غنڈوں کے سامنے اس غریب کی کیا حیثیت ہونی تھی۔یہاں تو سرکاری اور غیر سرکاری غنڈوں کے سامنے معاشرے کے تمام سفید پوش لوگ مجبور ہیں۔مشکل اَمر یہ بھی ہے کہ سفید پوش طبقہ تمام ذلت سمجھنے کے باوجود بھی ردِعمل کا اظہار نہیں کرتا۔جوتے کھانے کے بعد بھی یہ طبقہ انہی غنڈوں اور موالیوں کے در پر سجدہ کیے رہتا ہے،جو انکی عزتِ نفس مجروح کرتے ہیں بلکہ مسلسل کرتے رہتے ہیں۔معلوم نہیں،انہیں عزت کے بغیر زندہ رہنا،اتنا پسند کیوں ہے۔مگر یہ شائد ہمارے خمیر میں ہے۔ہر طاقتور کے سامنے جھکنا اور کمزور کے سامنے فرعون بننا ہماری سرشت ہے۔شائد تاریخ کے جبر نے ہم سے ضمیر نام کی چیز چھین لی ہے۔

بابر مسیح کیلئے ساری صورتحال بہت ہی مشکل تھی۔درست ہے کہ اس نے سود پر چند ہزار روپے قرض لیے تھے۔مگر وسائل اس قدر محدود تھے کہ چند ہزار اسکے لیے کئی کروڑ روپے تھے۔دو تین مہینے تک پیسے واپس نہ کرسکا۔غنڈوں کی دی گئی ذلت اور اذیت سہتا رہا۔دو دن پہلے فیصلہ کیا،کہ جان خود ہی لے لیگا۔یعنی خودکشی کرلیگا۔زندگی کا بوجھ اسکے لئے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔جتنے ناخوش لوگ ہمارے "عظیم ملک "میں موجود ہیں،کسی اور ملک میں نہیں۔تقریباً پوری دنیا گھوم چکا ہوں۔مگر ناانصافی کی بدولت خوشی سے عاری چہرے،جو پاکستان میں نظر آتے ہیں،پوری دنیا سے زیادہ ہیں۔مشاہدہ کریں۔جب گاڑی کسی چوک پر رُکتی ہے تو اردگرد چہروں کو پڑھنے کی کوشش کریں۔مسلسل گھومتی ہوئی آنکھوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئیگا۔صرف اور صرف بھینچے ہوئے چہرے اور سپاٹ بے نور مجسموں جیسے انسان۔بہرحال بابر مسیح نے فیصلہ کیا جو صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو مکمل طور پر بے بس ہو چکا ہو۔جو اس درجہ مجبور ہو کہ اسکے پاس زندہ رہنے کا کوئی بھی جواز نہ ہو۔بابر اپنی کچی آبادی کے چرچ میں گیا۔اندر سے دروازہ بند کرلیا اور گلے میں پھندہ لیکر خودکشی کرلی۔جب کافی دیر تک باہر نہ نکلا تو گھر والوں کو تشویش لاحق ہوئی۔چرچ کا دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔شور سنکر اہل محلّہ بھی وہاں پہنچ گئے۔دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو بابر مسیح کی لاش جھول رہی تھی۔بابر زندگی کی دہلیز پار کرکے اس راستے پر روانہ ہو چکا تھا،جہاں کسی کو بھی،کسی قسم کی کوئی دنیاوی مجبوری نہیں ہوتی۔بچیوں اور بچوں کو دو وقت کی روٹی فراہم نہیں کرنی ہوتی۔آٹھ سو یا ہزار روپے کا بجلی کا بل بھی نہیں دینا ہوتا۔خوشی کے موقعوں پر بچوں کو نئے جوتے اور کپڑے بھی مہیا کرنے نہیں ہوتے۔ہاں،جہاں مومن خان جیسے سود خور قاتل بھی نہیں ہوتے۔بابر کے معصوم بچے اور بچیاں،باپ کی لاش سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روتی رہیں۔لاش کو رسے سے اُتارا گیا اور جسدِ خاکی کو دفنا دیا گیا۔بابر مسیح جیسے بے بس لوگ درجنوں کی تعداد میں روز مرتے ہیں۔اس سے کسی کو کیا فرق پڑتا ہے۔کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی نہ کبھی رینگے گی۔بابر مسیح جیسے لوگ پہلے بھی تو دراصل زندہ نہیں ہوتے۔انکا جینا یا مرنا ہر طریقے سے برابر ہے۔بلکہ مرنا شائد بہتر ہے۔شائد۔

بابر مسیح کی خودکشی کے متعلق کسی نے بھی غور نہیں کیا ہوگا۔اخبار میں چھپنے والی خبر پر بھی توجہ نہیں دی ہوگی۔اس طرح کی خودکشیاں تواتر سے جاری ہیں۔مگر اب بہت زیادہ بڑھ چکی ہیں۔اتنی زیادہ کہ اب خودکشی کی خبر، دراصل خبر ہی نہیں رہی۔اخبار کی بے جان دو تین سطریں اور بس۔مگر صاحبان، یہ واقعات ہرگز ہرگز معمولی نہیں ہیں۔یہ ہمارے ملک، سماج، نظام اور طرزِ زندگی پر سچے تبصرے ہیں۔یہ فریاد ہے۔ان لوگوں کی، جنہیں اس ملک نے کچھ بھی نہیں دیا۔اس نظام کے خلاف ایک ندا ہے، جس میں غریب کا کوئی والی وارث نہیں ہے۔مگر متضاد طرف دیکھیں تو پاکستان ایک شاندار ملک ہے۔بڑے شہروں کے تمام ریسٹورنٹ مکمل طور پر بھرے ہوئے ہیں۔امیر لوگ، ایک وقت کے کھانے پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔انکے بچے، مغربی ریسٹورنٹ سے سینکڑوں روپے کے برگر اور پیزا اس طرح منگواتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شائد مفت تقسیم ہو رہے ہیں۔ڈیڑھ سے تین کروڑ کی گاڑی اب عام ہے۔ہر طرف نظر آتی ہے۔سڑکیں قیمتی گاڑیوں سے اَٹی ہوئی ہیں۔اب تو شہر میں دنیا کی سب سے قیمتی کار، یعنی رولز رائس بھی نظر آتی ہے۔جسکی موجودہ قیمت سولہ کروڑ سے لیکر اکیس کروڑ تک ہے۔کراچی میں درجنوں رولز رائس گاڑیاں ہیں۔یہی حال لاہور اور اسلام آباد میں ہے۔آپ کسی بڑے آدمی کی شادی پر چلے جایئے۔دو تین ہزار لوگوں کی دعوت عام سی بات ہے۔شادیوں پر اب لاکھوں نہیں، کروڑوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔خرچ کرنے اور دکھاوے کی انتہا تو یہ ہے کہ اب ذاتی خوشی کے اظہار کیلئے ہندوستان سے گائک اور میوزیکل بینڈ بلوائے جاتے ہیں۔فوتگی پر بھی یہی عالم ہے۔سینکڑوں لوگوں کیلئے بہترین کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔اسلیے کہ مرنے والے کی روح کو ثواب پہنچے۔دعا کروانے کیلئے عالمگیر شہرہ یافتہ دینی علماء بلائے جاتے ہیں۔ان دینی ذاکروں کی فیس بھی لاکھوں میں ہے۔اگر بے لاگ موازنہ کیا جائے، تو مرنا بھی بہت مہنگا ہو چکا ہے۔شائد آپکو میری بات پر یقین نہ آئے۔چند سال پہلے، ایک واقف نے کہا کہ انکا بڑا بھائی فوت ہو چکا ہے۔انکی رسم قُل، لاہور کے ایک بڑے ہوٹل میں منعقد کی جا رہی ہے۔قطعاً یقین نہ آیا۔دوبارہ پوچھا تو یہی جواب تھا کہ لاہور کے فلاں ہوٹل میں دعا ہے اور اسکے بعد کھانے کا اہتمام ہے۔کوشش کرنے کے باوجود وہاں نہ جا سکا۔مرحوم سے وابستگی تھی۔قران کا ایک رکوع پڑھ کر خاموشی سے انکو بخش دیا اور مغفرت کی دعا کی۔

مگر سوال ہے کہ یہ ملک کن لوگوں کے ہاتھوں میں جا چکا ہے۔ایک ایسا طبقہ، جسکا ملک سے صرف ایک رشتہ ہے کہ یہاں سے مال در مال کماؤ۔اسکی ہڈیاں نوچو اور مزے کرو۔ان لوگوں کی زندگی اتنی رنگین اور شاندار ہے کہ غریب آدمی تصور تک نہیں کر سکتا۔بلکہ سفید پوش آدمی بھی اس زندگی کے صرف خواب دیکھ سکتا ہے۔بائیس کروڑ کی آبادی میں اکیس کروڑ، پچھتر لاکھ لوگ صرف اور صرف سانس لے رہے ہیں۔جانور کی سطح سے بھی نیچے زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔یہی اصل پاکستان ہے۔بابر مسیح کا ملک جسکا ذکر کرنا کوئی بھی مناسب نہیں سمجھتا۔سب خاموش ہو جاتے ہیں!

راؤ منظر حیات